AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www.al-aasar.com

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

تنظیمِ ریاستِ نبوی ﷺ: داخلی اور خارجی جہات کا مطالعہ ڈاکٹر حمید اللہ کی تحقیقات کی روشنی میں

"THE ESTABLISHMENT OF PROPHETIC STATE: A STUDY OF ITS INTERNAL AND EXTERNAL DIMENSIONS IN THE LIGHT OF DR. HAMIDULLAH'S SCHOLARSHIP"

عثمان حنیف

لیکچرار گورنمنٹ دیال سنگھ گریجویٹ کالج لاہور

پروفیسر ڈاکٹر محمد عبداللہ

ڈائریکٹر شیخ زاید اسلامک سنٹر جامعہ پنجاب لاہور

Abstract:

The Prophetic state shows a gradual shift from the civic community of Makkah to the structured political order of Madinah. Internally, it ensured justice, social harmony, and stability, while externally it established diplomacy and foreign policy based on peace and fairness. In the light of Dr. Hamidullah's research, this study highlights the dual role of the Prophet's letters (Maktūbāt), which combined da'wah with political recognition, thus linking faith with statecraft. The findings suggest that the Prophetic model was not temporary but a lasting framework of governance and international relations, offering practical guidance for modern diplomacy and global peace.

Keywords: *Dr.Hamidullah, Civic Order in Makkah, Foreign Policy, Constitution of Madinah, Establishment of Prophetic State, Prophetic Letters (Maktūbāt), Diplomacy, Treaty of Ḥudaybiyyah, International Relations, Governance*

تعارف

امت اسلامیہ میں اصلاح وتجدید کا عمل پیہم جاری رہاہے اور ہر دور میں ایسی عبقری شخصیات دیکھنے کو ملتی ہیں جن کی وجہ سے اسلام اور اس کی تعلیمات کے احیاء کا عمل جاری وساری رہا۔ تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ جب بھی شعائر اسلام کی آبیاری کی ضرورت محسوس ہوئی، اللہ رب العزت نے اس بات کا اہتمام اپنی قدرتِ کاملہ سے فرمایا کہ اپنے بندوں میں سے بعض کا انتخاب فرمایا جنہوں نے اسلام کی بقاء اور نبوی منہج پر نشرواشاعت کا فریضہ سر انجام دیا۔ تاریخ اسلامی ایسی شخصیات کو مجددین کے نام سے یاد کرتی ہے۔ ایسے رجال کار کی تعداد بہر حال کم ہی سہی مگر امت میں موجود رہی ہے۔ مصلحین و مجتہدین ملت کی بات کی جائے تو ایسے افراد کو دو اعتبار سے تقسیم کیا جاسکتا ہے، ایک وہ جو عامۃ الناس یا معاشرہ میں رائج دین کی تعبیر کو اختیار کرتے ہیں، آسان راستہ اختیار کرتے ہیں اور اس طرح وہ جلد ہی معاشرے میں قبولیت اختیار کر لیتے ہیں لیکن کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو مشکل راستہ اختیار کرتے ہیں لیکن اپنی دقت نظری، آفاقی فکر اور دینی فہم وبصیرت، دین کے تمام مصادر تک رسائی اور اس سے استنباط واستدلال کی وجہ سے اگرچہ طویل عرصہ میں ہی سہی مگر ایسا مقام پالیتے ہیں جو ان کی عالمگیر شہرت کا باعث بنتا ہے۔ اپنے نتائج کے اعتبار سے ممکن ہے اول الذکر فوری طور پر مقبول ہو جائیں لیکن موخر الذکر قسم میں شامل لوگ سماج کے نباض کہلاتے ہیں اور اپنی تحقیقات ونگارشات کی وجہ سے معاشرہ کے ایسے پہلوؤں تک رسائی اختیار کر لیتے ہیں جس کی طرف اکثر وبیشتر کی نظر نہیں جاتی۔ تجدید واصلاح اور احیائے دین کے حوالے سے بیسویں صدی عیسوی میں پیدا ہونے والے اکثر ایسے ہی اساطین علم کی خدمات جلیلہ کا جائزہ لیا جائے جن کے اثرات ہمہ گیر اور ہمہ جہت ہیں تو ان میں "مجدد علوم سیرت" ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا نام بھی سامنے آتا ہے۔ ڈاکٹر صاحبؒ اصولی طور پر قانون اور تاریخ کے طالب علم تھے لیکن جیسے ہی سیرت نگاری کا شغف ہوا تو پھر اسی کے ہو کر رہ گئے اور آج اگر ان کی تمام خدمات اور تحقیقات وکتب کا جائزہ لیا جائے تو موصوفؒ کی سیرت نویسی کا پہلو ان کی بقیہ نگارشات پر ہر اعتبار سے حاوی نظر آتا ہے بلکہ اپنے اکثر امتیازات وخصائص کی

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www.al-aasar.com
Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

وجہ سے دیگر معاصر سیرت نگاروں میں زیادہ بڑے اور زیادہ قد آور دکھائی دیتے ہیں۔ تحقیق کی راہ پر چلے تو پھر چلتے چلے گئے، اس ضمن میں دنیا کی معروف زبانوں جرمن، ترکی، عربی، فرانسیسی، سنسکرت، عربی اور دیگر زبانوں پر عبور حاصل کیا اور
ہر زبان میں تحقیقات پیش کیں۔ تن تنہا محدود وسائل کے ساتھ حدیث، سیرت اور دیگر اسلامی علوم میں ایسے کارہائے نمایاں انجام دیے جو شاید کئی اکیڈمیز اور ریسرچ اسکالرز مل کر بھی انجام نہ دے سکتے۔ اپنی تحقیقات میں تشریحی نوٹس تیار کرنا، قدیم مخطوطات تک رسائی حاصل کرنا، معاجم تیار کرنا، مختلف مخطوطات کا تقابل کرنا، امہات کتب کے عربی، اردو، فرانسیسی و دیگر زبانوں میں تراجم کرنا، مختلف یورپی جامعات میں توسیعی خطبات دینا اور اسلام مخالف پروپیگنڈوں کو واضح کرنا، الغرض یہ ایسے کارہائے نمایاں ہیں جو فاضل مصنفؒ کو دنیائے تحقیق میں ممیز و ممتاز بناتے ہیں۔ عمر کا زیادہ حصہ مغرب (فرانس) میں گزارا، ابن تیمیہؒ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے رشتہ ازدواج میں بھی منسلک نہ ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس عہد کے نامور مستشرقین کے اٹھائے گئے اعتراضات و شبہات کا علمی و مدلل انداز میں رد بھی پیش کیا نیز اسلام کی حقیقی تصویر عالم مغرب میں پیش کی، یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاتھ پر ہزاروں کی تعداد میں لوگوں نے اسلام قبول کیا اور آپؒ حقیقی معنیٰ میں اسلام کے داعی کہلائے۔ ڈاکٹر حمید اللہ کی سیرت نگاری کی انفرادیت و امتیازات کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ انہوں نے سیرت کے سیاسی پہلوؤں پر بہت زیادہ لکھا، چنانچہ ان کی ڈی لٹ کی ڈگری بھی اسلام میں سفارت کاری اصول و مباحث پر مشتمل تھی اسی طرح موصوفؒ کی ڈاکٹریٹ بھی عہد نبوی و عہد خلافت راشدہ میں سفارت کاری کے حوالے سے تھی۔ ذیل کی سطور میں سیرت النبی کے سیاسی پہلو کے حوالے سے ڈاکٹر حمید اللہ کی نگارشات و تحقیقات کا جائزہ پیش کیا جائے گا۔

حکومت اسلامیہ کے قیام کی شرعی اہمیت

کسی بھی ریاست کی صحیح بنیادوں پر تشکیل اور تعمیر اس معاشرے میں بسنے والے افراد کی فوو فلاح اور کامیابی و کامرانی کی حقیقی معنوں میں ضامن ہوتی ہے لہٰذا یہ ایسی بحث ہے جو شرعی و معاشرتی اعتبار سے بھی اہمیت اختیار کر جاتی ہے۔ اس بارے مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں

> ”اس دنیا میں حکمران کا وہی مقام ہے جو انسانی جسم میں دل کا ہے، اگر دل کی حالت درست ہو تو جسم بھی تندرست رہتا ہے لیکن اگر دل کی حالت بگڑ جائے تو سارا جسم بھی بگاڑ کا شکار ہو جاتا ہے۔ گویا حکمران کی نیکی سب کی نیکی ہے اور حکمران کا بگاڑ سب کا بگاڑ ہے“[1]

اسلامی ریاست بطور انسانی سیاسی تنظیم

افراد سے معاشرہ وجود میں آتا ہے اور معاشرہ مختلف ادارہ جات کا مجموعہ بھی کہلاتا ہے کیونکہ منظم اداہ جاتی نظام ہی سے معاشرہ کی بقاء ممکن ہوتی ہے۔ سماج کی اسی ادارہ جاتی تنظیم میں جہاں خاندان، مسجد، مکتب وغیرہ نمایاں کردار کے حامل ہیں بعینہٖ اسی طرح اسلامی ریاست بطور سیاسی تنظیم کسی بھی معاشرے کے ادارہ جاتی نظم میں اہم ترین کردار ادا کرتی ہے۔ جس طرح انسانی جسم میں دماغ کا مقام سر میں ہے اور جسم میں سارے معاملات کا کنٹرول بہرحال انسانی دماغ کے پاس ہی ہوتا ہے اور جسم کے تمام اعضاء باہم مل کر امور زندگانی انجام دیتے ہیں لیکن دماغ کے ساتھ دیے بغیر یہ جسمانی اعضاء وجوارح کوئی بھی سرگرمی بطریق احسن انجام دے ہی نہیں پائیں گے بالکل اسی طرح معاشرے کے جملہ امور کی نگرانی و نگہبانی ایک ریاست کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معاشرے کے تمام ادارے آپس میں مضبوط تعلق کی بنیاد پر وجود میں آتے ہیں اور معاشرتی استحکام کی بنیاد بھی ان تمام معاشرتی اداروں کا منظم انداز میں کام کرنا ہے۔ اسی معاشرتی نظم کو رواں دواں رکھنے اور اس کی باقاعدگی کے لیے جو ادارہ ضروری ہے اسے عرف عام میں ”ریاست“ کہا جاتا ہے، دوسرے الفاظ میں ریاست بطور سیاسی تنظیم کی موجودگی میں انسانی سماج کے جملہ امور احسن انداز میں انجام پاتے ہیں جبکہ کسی سیاسی نظم کے بغیر معاشرہ انتشار اور بگاڑ کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسلامی نظم حیات میں سماجیات و سیاست ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور دونوں کا لزوم ضروری ہے۔ ذیل میں ڈاکٹر حمید اللہ کی نگارشات کے تناظر میں سیاسی مباحث کا تعارف و جائزہ پیش کیا جائے گا، اس سے پہلے اسلامی ریاست اور حکومتِ اسلامیہ کی شرعی اہمیت اور غرض وغایت کے بارے گفتگو کی جائے گی چنانچہ ڈاکٹر خالد علوی کے بقول ریاستِ اسلامی معاہدہ ربانی پر مشتمل ہے۔ وہ لکھتے ہیں

[1] سرہندی، شیخ احمد، مکتوبات امام ربانی، (امرتسر: 1327ھ) دفتر اول حصہ دوم، مکتوب نمبر 47، ص 20)

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www.al-aasar.com
Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

"اسلامی ریاست معاہدہ ربانی پر مشتمل ہے جس کا معنی یہ ہے کہ انسان نے خدائے وحدہٗ سے معاہدہ اطاعت کیا تھا، اسلامی ریاست اس معاہدہ پر مبنی معاشرہ منظم کرتی ہے۔ یہ ایسا معاہدہ ہے جس میں ریاست کا ہر فرد مسئول ہے، کوئی شخص اطاعت سے بالاتر نہیں اور کوئی شخص احکام خداوندی سے بغاوت کر کے اسلامی ریاست کی انتظامیہ میں نہیں رہ سکتا"[2]

اسلامی ریاست کے قیام کی غرض وغایت

تشکیل ریاست کے حوالے سے ڈاکٹر حمید اللہ روایتی سیرت نگاروں کی طرح واقعاتی سیرت نگاری کرنے کی بجائے ایک مفروضہ یا بنیادی سوال قائم کرتے ہیں پھر اس سوال کا جواب حقائق کی روشنی میں تلاش کرتے ہیں، اس حوالے سے تشریح وتوضیح کا انداز بھی اختیار کرتے ہیں۔ چنانچہ حکومت اسلامیہ کی ضرورت اور مقصدیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنی کتاب "اسلامی ریاست۔ عہد رسالت کے طرز عمل سے استشہاد" میں رقمطراز ہیں

"میرے پیش نظر صرف یہ بتانا ہے کہ کن حالات میں پیغمبر اسلام کو اس بات پر مجبور ہونا پڑا کہ ایک حکومت قائم کریں۔ حکومت کی اقامت پر مجبور کرنے کا لفظ میں ایسے استعمال کر رہا ہوں کہ نبی دنیا اور دنیوی اقتدار کا طالب نہیں ہوتا۔ اس کے باوجود پیغمبر اسلام ایک مملکت قائم کرتے ہیں اور اس مملکت کے حاکم اعلیٰ کی حیثیت سے حکمرانی بھی فرماتے ہیں۔ یہ کن حالات میں ہوا؟ کیسے یہ مشکل کام مکمل ہوا؟ اور پھر اس مملکت میں جس کا وجود ہی نہ تھا، ہر چیز کا نظم ونسق حضور ﷺ نے قائم کر دیا اور ایسا نظم ونسق چھوڑا گیا کہ وہ آپ ﷺ کے بعد صدیوں تک چلتا رہا، اور بنی آدم آنحضرت ﷺ کے نظام جہاں بانی سے فائدہ اٹھاتے آرہے ہیں"[3]

نبی اکرم بطور سیاست دان ومنتظم اعلیٰ

کسی بھی ریاست کی بقا اور فلاح کے لیے اس کے منتظم اعلیٰ کو خاص اہمیت حاصل ہوتی ہے کیونکہ اسی کی قائدانہ صلاحیتوں کی بنیاد پر وہ ریاست توسع بھی اختیار کرتی ہے نیز اس ریاست کے افراد ظاہری وباطنی، اخلاقی اور اقتصادی لحاظ سے ترقی کے ثمرات کے حقدار ٹھہرتے ہیں۔ بحثیت منتظم اعلیٰ (Chief Executive) نبی مکرم ﷺ میں وہ تمام انتظامی صلاحیتیں بدرجہ اتم موجود تھیں جن کی بنیاد پر نہ صرف ریاست اسلامی نے عروج حاصل کیا بلکہ آپ ﷺ کے اصحاب بھی جملہ شعبہ ہائے زندگی میں عروج اور ترقی کی منازل طے کرتے چلے گئے۔ چنانچہ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ سیاسی بصیرت اور قوت فیصلہ نبی مکرم ﷺ کی مکی زندگی میں ہی اس قدر راسخ ہو چکی تھی کہ عالم جوانی میں قبل از نبوت ہی آپ ﷺ کی سیرت اس بات کی غمازی کرتی ہے۔ پہلے پہل اسلامی ریاست کا نظم ونسق اس وقت کے موجودہ قبائلی نظام کے مطابق دستوری روایات کے تحت شروع ہوا بعد ازاں یہی ریاست ایک ملک گیر سلطنت اور مرکزی حکومت میں تبدیل ہو گئی۔ اہل عرب کے لیے یہ بالکل ایک نئی قسم کا تجربہ تھا کیونکہ وہ اپنی سابقہ روایات کے مطابق بدوی فطرت کے حامل تھے اور مختلف قبائل بھی انہی اکائیوں میں رہا کرتے تھے۔ یہ قبائلی اکائیاں آزاد اور خود مختار تھیں ساتھ ہی ساتھ سیاسی چپقلش اور باہمی قبائلی تصادم نیز قبائلی تعصب کی ذمہ دار بھی تھیں۔ اہل عرب مرکزیت اور قومی حکومت کے تصور سے ناآشنا تھے۔ نبی اکرم ﷺ ہی کا یہ سیاسی کارنامہ ہے کہ ان منتشر سیاسی اکائیوں کو منظم کیا اور منتشر قبائل کو مرکزیت عطا کی۔ آپ کے اس سیاسی کارنامے کے پیچھے یہی تصور تھا کہ قبائل اب "خون اور عصبیت" کی بجائے صرف "دین" کی بنیاد پر اکٹھے ہونے لگے۔ اگر معاہدہ حلف الفضول کو دیکھا جائے تو یہ معاہدہ نبی اکرم کی فراست اور سیاست کا شاہکار دکھائی دیتا ہے۔ معاہدہ حلف الفضول گویا نبی ﷺ کے قائدانہ کردار اور سیاسی زندگی کے عالمگیر اثرات کے اظہار کا ایسا نشان راہ تھا جو منزل کے حصول میں سنگ میل کی سی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی کوئی انسان اسلام قبول کرتا تو آپ کے ساتھ اپنی کامل وابستگی کے ظہار کے لیے اپنے جملہ معاشرتی وسیاسی معاملات میں نبی کریم ﷺ کی طرف ہی رجوع کرتا۔ چنانچہ دار ارقم بھی اسی مقصد کے لیے بنایا گیا کیونکہ یہ نومسلموں کے لیے ایک Central Secretariat کی حیثیت رکھتا تھا۔

---

2 خالد علوی، ڈاکٹر، اسلام کا معاشرتی نظام، (لاہور: الفیصل ناشران وتاجران، مارچ 2017ء)، ص 315

3 حمید اللہ، ڈاکٹر، اسلامی ریاست۔ عہد رسالت کے طرز عمل سے استشہاد، (لاہور: طیبہ پبلشرز، 2022ء)، ص 7

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www.al-aasar.com
Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

مکی دور۔ منظم سیاسی عہد کے آغاز کا مقدمہ

مکی نظم حکومت کے بارے ڈاکٹر حمید اللہ کی رائے یہی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا مکی دور محض تبلیغی و دعوتی عہد نہ تھا جیسا کہ اکثر و بیشتر سیرت نگاروں کا موقف ہے بلکہ یہ ایک منظم سیاسی دور کے آغاز کا مقدمہ تھا۔ آپ لکھتے ہیں

> "شہر مکہ میں جو لوگ مسلمان ہوتے رہے تھے ان کی تعداد بہت ہی آہستہ آہستہ بڑھی وہ تھے سارے ہی قبیلوں کے، اور انہوں نے مملکت کے اندر ایک مملکت بنالی۔ وہ مکہ شہر میں رہتے تھے لیکن اگر انہیں کسی عدالتی مسئلہ میں ضرورت درپیش ہوتی وہ شہر کے ان مشرک افسران کے پاس نہیں جاتے تھے جن کے پاس عدل گستری کا کام تھا۔ اگر انہیں فوجی دفاع کے سلسلے میں ضرورت پیش آتی تو ان کو اہل مکہ سے امداد کی توقع نہ تھی۔ الغرض وہ ہر کام میں رسول اللہ ﷺ سے رجوع کرتے جو ان کے قانون ساز بھی تھے، حاکمِ عدالت بھی، کمانڈر انچیف بھی تھے اور بادشاہ بھی"[4]

ڈاکٹر حمید اللہ نبی مکرم ﷺ کی انتظامی صلاحیت، سیاسی تدبر اور فہم و فراست کا اعتراف کھلے الفاظ میں کرتے ہیں اور اور آپ کی قائدانہ صلاحیتوں بالخصوص سیاسی فہم کے بارے برملا اظہار کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں کہ یہ بلاشبہ نبوی فراست ہی تھی جس کی وجہ سے منتشر قبائل میں اجتماعیت پیدا ہوئی، بے ہنگم اور بے اصول زندگی گزارنے والوں کو ایک نظم حکومت کے تحت زندگی کا شعور فراہم کیا گیا، آپس کے خون کے پیاسے شیر و شکر ہوئے اور اخوت کے ایسے عالمگیر بندھن میں بندھ گئے جس کی مثال تاریخ انسانی دینے سے قاصر ہے۔ ڈاکٹر صاحبؒ نے نبی مکرم ﷺ کے سیاسی، انتظامی اور دفاعی پہلو کی وضاحت جابجا اپنی کتب و خطبات میں پیش کی ہے۔ فاضل مصنف لکھتے ہیں

> "سیاسی پہلو کو لیجیے تو آپؐ نے دس سال کے قلیل عرصہ میں جزیرہ نمائے عرب، جنوبی فلسطین اور جنوبی عراق میں نراج (لاحکومتی) کی جگہ جہاں زیادہ تر خودسر، خانہ بدوش قبائل میں خانہ جنگیاں ہی رہا کرتی تھیں، ایک مستحکم اور بڑی مملکت قائم کر دی۔ بحثیت سپہ سالار کے آپ کی لڑائیوں میں بہ مشکل چند افراد فریقین کی طرف سے مارے گئے لیکن دس سال میں دس لاکھ مربع میل کا رقبہ مطیع اور ماتحت ہو گیا، پھر یہ آپ ہی کے تربیت یافتہ تھے جن سے زیادہ 'مہذب وحشی' کبھی فتوحات کے لیے نہیں نکلے اور جن سے زیادہ تیز اور ٹھوس فتوحات کا اگلوں پچھلوں کسی نے بھی ریکارڈ قائم نہیں کیا۔ بحثیت منتظم و مدبر ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ایک ایسے ملک میں پیدا ہوئے جہاں صحیح معنوں میں کبھی کوئی مملکت قائم ہی نہیں ہوئی تھی، اس کے باوجود آپ نے جو دستور مملکت مرتب اور جو نظام حکمرانی قائم کیا، اس پر عمل اس عظیم الشان مملکت کے لیے نہ صرف ہر طرح کارآمد ثابت ہوا بلکہ جب تک اس پر عمل رہا وہ دنیا کی مہذب ترین حکومت بنی رہی، اسے انسانیت کا دور زریں کہنا مبالغہ نہیں"[5]

مکہ میں شہری مملکت و نظام سلطنت

مکہ میں مملکت اور کارہائے حکومت کے سلسلے میں ڈاکٹر حمید اللہ کی رائے یہ ہے کہ انتظام سلطنت چونکہ مکہ والوں کے ہاں موجود تھا اسی وجہ سے اہلِ عرب میں آس پاس کی ریاستوں کے اثرات قبول کرنے کی وجہ سے نظم سلطنت کو سمجھنے اور کارہائے مملکت سنبھالنے کی کچھ صلاحیت پیدا ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر صاحبؒ کے مطابق اہلِ عرب میں کسی حد تک قائدانہ صلاحیت فطری طور پر موجود تھی، اُن میں قبائلی عصبیت کا عُنصر بھی موجود تھا لیکن اس سب کے باوجود حکومت کی زمام کار

---

[4] حمید اللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاول پور۔ فقہی و سماجی سیرت نگاری کا اہم منہج۔ تحقیق۔ تخریج، تعلیق، [مرتب کردہ] عبد الغفار، ڈاکٹر (زیر اہتمام سیرت چیئر، یونیورسٹی آف اوکاڑہ، 2023ء)، ص 278-279

[5] حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، (مشتاق بک کارنر، 2016ء) ص 16

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

سنبھالنا، ریاستی نظم و نسق کے پیچیدہ اور نازک پہلوؤں کو سمجھنا اور اس کو باقاعدہ و منظم رُخ دینا بہر حال ابھی باقی تھا۔ اسلام کی آمد کے بعد یہ کمی بھی پوری ہوئی اور نبوی رہنمائی کے نتیجہ میں تھوڑے ہی عرصہ میں اہلِ عرب نے سیاسی اعتبار سے بھی اپنا نمایاں مقام بنالیا۔ ڈاکٹر حمید اللہ اپنے مقالہ "شہری مملکت مکہ" میں لکھتے ہیں

"شہر مکہ کے باشندوں نے اپنی شہری مملکت کے لیے ایک ترقی کناں دستور، اسلام سے خاصا عرصہ قبل بنالیا تھا، جس کے ذریعے سے انہیں اس بات کی تربیت مل چکی تھی کہ آئندہ اسلامی دور میں عربی شہنشاہیت کے نظم و نسق کو کو چلا سکیں۔ یہ شہنشاہیت تیس ہی سال کے عرصہ میں مدینہ کی چھوٹی سی شہری مملکت سے پھیلتے ہوئے رومی، ایرانی اور دیگر حکومتوں پر ایشیا، افریقہ اور یورپ کے براعظموں پر چھاگئی"[6]

ریاست کا توسع، استحکام اور نبوی پالیسی

ڈاکٹر حمید اللہ نے ریاست اسلامی کے استحکام و توسیع کے حوالے سے نبی ﷺ کی سیاسی فراست اور پالیسی کی طرف بھی اپنی نگارشات میں جابجا لطیف پیرائے میں اشارات کیے ہیں۔ چنانچہ مدینہ کی ریاست کے استحکام و توسیع سلطنت کی خاطر یہود و نصاریٰ کو مملکت اسلامیہ سے جلاوطن کرنے کے پیچھے کیا محرکات کیا تھے اس بارے بالتفصیل لکھا ہے نیز اس امر کی وضاحت بھی کی ہے کہ اقلیتوں کی ریاست اسلامیہ میں حدود قیود کیا ہیں، اس بارے گفتگو کرتے ہوئے موصوفؒ "عہد نبوی میں نظام حکمرانی" میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"اولاً استحکام پھر توسیع کا اصول اس عہد کی پالیسی کا ایک اہم ستون ہے اور لا اکراہ فی الدین (256/2) کے حکم کے باعث جبراً کسی کو مسلمان بنانے کی اجازت تو کبھی نہ ملی لیکن حکومت الٰہیہ کا قیام ایک فریضہ قرار دیا گیا ہے۔ وقاتلوهم حتى لاتكون فتنة و يكون الدين كله لله (39/8) میں دین سے مراد غلبہ اور حکومت ہے اور ذمی رعایا بننے کی اس شرط پر اجازت دی گئی ہے کہ وہ اطاعت کریں 'صغار' قبول کریں ، یعنی حکومت میں شرکت نہ چاہیں اور شرائط معاہدہ کی تعمیل کرتے رہیں، ایسا ہو تو انہیں ہر کام کی آزادی رہے گی"[7]

مکہ کو شہری ریاست قرار دینا

عرب کے جس خطہ میں نبی اکرم ﷺ کی پیدائش ہوئی، وہ مکۃ المکرمہ کہلاتا ہے۔ مکہ میں نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل اور بعد کے حالات پر کتبِ سیرت میں معلومات بالتفصیل مل جاتی ہیں۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے بھی مکہ کی سیاسی و انتظامی اہمیت بارے گفتگو کی ہے اور بتایا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی آمد کے وقت مکہ میں سیاسی نظم کسی حد تک بہر حال موجود تھا اور ریاستی امور چلانے کے لیے وہاں باقاعدہ ادارہ جاتی نظام بھی موجود تھا۔ ڈاکٹر صاحبؒ نے مکہ کو City State یعنی ایک شہری ریاست قرار دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں

"جہاں تک سیاسی نظم و نسق کا تعلق ہے شہر مکہ ایک شہری مملکت تھی، جس کا رقبہ (حدود حرم کی اساس پر)130 مربع میل تھا۔ وہاں بادشاہت کی جگہ ایک طرح کی جماعتی گورنمنٹ تھی یعنی ایک مجلس وزراء اس کے انتظام کی ذمہ دار تھی............اس کا انتظام بجائے ایک فرد کے ہاتھ میں ہونے کے ایک نمائندہ جماعت کے سپرد کیا گیا تھا جس کا ہر فرد وراثتی اصول پر ہمیشہ ایک ہی قبیلہ سے ہوا کرتا تھا۔ یہ ہے مختصر خلاصہ اس سیاسی نظام کا جو پیغمبر اسلام ﷺ کی ولادت کے وقت شہر مکہ میں پایا جاتا تھا"[8]

---

[6] محولہ بالا، ص20

[7] نفس مصدر، ص223۔222

[8] حمید اللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاول پور فقہی و سماجی سیرت نگاری کا اہم منہج۔ تحقیق۔ تخریج، تعلیق، [مرتب کردہ] عبدالغفار، ڈاکٹر، ص276-278

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www.al-aasar.com

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

ہجرت۔سیاسی قوت کے حصول کا اولین محرک

نبی مکرم ﷺ نے جب مکی زندگی میں "تطہیر و تشکیل سماج" کا اہم مرحلہ مکمل کر لیا تو اگلے مرحلے یعنی "تشکیل ریاست و حکومت" کی طرف متوجہ ہوئے ۔اس ضمن میں سیرتی مصادر سے یہ واضح ہوتا ہے کہ تشکیل ریاست نیز استحکام سلطنت کے حصول کے لیے جس صبر آزما مرحلے کو لازم قرار دیا گیا وہ ہجرت ہے یعنی صرف اللہ کی رضا اور خوشنودی کے حصول کی خاطر اپنا سب کچھ چھوڑ دینا۔چنانچہ اسلامی ریاست کی تاسیس میں ہجرت کا مرحلہ اہم ترین مرحلہ شمار کیا جاتا ہے۔ہجرت گویا وہ اہم ترین مرحلہ تھا جس کی بنیاد پر آئندہ قائم ہونے والی اسلامی مملکت کی راہ ہموار ہوئی۔اسلام قبول کرنے والوں پر جب حالات زیادہ کٹھن، مشکل اور صبر آزما ہوئے تو نبی کریم ﷺ نے حبشہ کی جانب ہجرت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔یہ ہجرت دراصل اسلام کی سیاسی قوت کی اولین محرک تھی، دوسرے الفاظ میں یہ ہجرت اہل مکہ کے لیے مسلمانوں کی سیاسی و نظریاتی فتح بھی تھی جس نے ان کو ایک ایسا موثر پیغام دیا کہ اب مسلمان بے یار و مددگار نہیں اور بے سہارا نہیں ہیں بلکہ ان کے آس پاس کی ریاستوں کے ساتھ بھی تعلقات موجود ہیں نیز وہاں کے حکمرانوں سے اچھے اور مراسم قائم ہیں، چنانچہ اب مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے کسی بھی جگہ منتقل ہو سکتے ہیں۔اس ضمن میں ایک غور طلب بات یہ بھی ہے کہ ہجرت حبشہ جو اسلام کی اولین ہجرت سمجھی جاتی ہے محض ایک ہجرت نہ تھی بلکہ اس اہم ترین مرحلے کا ایک سبب یہ بھی نظر آتا ہے کہ دعوت دین کے ساتھ ساتھ اسلام کو بطور سیاسی قوت کے اہل عرب میں متعارف کروادیا جائے تاکہ قرب وجوار کے خواص و عام میں اسلام کے پیغام کو عام کرنے کے ساتھ ساتھ سیاسی تعلقات کو بھی فروغ دیا جاسکے، اس ضمن میں سید مرتضیٰ حسین لکھتے ہیں

> "رسول اکرم ﷺ نے پہلے قافلے میں تھوڑے آدمی بھیج کر نئے ملک کے طور طریقے اور وہاں کی حکومت اور عوام کا مزاج سمجھا پھر مکمل دستہ بھیج کر ایک اور سیاسی برتری حاصل کی، دشمن نہ سمندر پار کر سکا نہ حبشہ جا کر کوئی عیسائی منصوبہ بروئے کار لا سکا، ایک دو آدمی گئے بھی تو اپنا نقصان اور مسلمانوں کا فائدہ کر آئے"[9]

ڈاکٹر حمید اللہ ہجرت اور بیعت عقبہ کے محرکات و مقاصد کا بھرپور جائزہ لیتے ہیں اور ان دونوں مراحل کو مسلمانوں کی باقاعدہ اجتماعیت اور مرکزیت کی اساس قرار دیتے ہیں۔فاضل مصنف کے نزدیک ہجرت یا ترک وطن کے مترادف ہے، اور وطن یا جائے پیدائش کو چھوڑ کر جانے کے محرکات و وجوہات میں فرق ہو سکتا ہے لیکن ڈاکٹر صاحب اس ضمن میں بھی اسلام کی انفرادیت کو نمایاں کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسلام پر صحیح معنیٰ میں عمل کے لیے ہجرت ایک اہم ترین مرحلہ شمار کیا جانا چاہیے۔یہی وجہ ہے کہ ہجرت انسان کو اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کے لیے ایک ایسی تحریک دیتی ہے جو شاید کسی اور عمل سے ممکن نہ ہو سکے۔ ڈاکٹر حمید اللہ اس ضمن میں رقمطراز ہیں

> "ہجرت کے دو پہلو ہیں، ایک تو وہی جو آج کل "ملکی بننا" (نیچرالی زیشن) کہلاتا ہے یعنی جب ایک قومیت والا دوسری قومیت اختیار کرتا ہے تو آخر الذکر ملک میں جا کر مقیم ہو جائے اور حتی الامکان اسی کا تمدن اور تخیل بھی اختیار کرے۔چونکہ اسلام ایک خاص قسم کی اور مستقل قومیت ہے جو دیگر جغرافیائی، نسلی، لسانی اور رنگی قومیتوں سے جدا ہے اس لیے ظاہر ہے کہ اسلام اپنے گھر میں اپنے مخصوص اصولوں پر عمل چاہے گا............... اس لیے عہد نبوی میں مسلمانوں کا یہ فریضہ قرار دیا گیا تھا کہ وہ نہ صرف اسلام قبول کر کے اسلامی احکامات پر چلیں بلکہ اسلامی علاقے میں بھی آکر آباد ہو جائیں۔اس طرح مسلمانوں کی اجتماعی قوت زیادہ ہو گی اور وہ اپنے حریفوں کا نسبتاً زیادہ آسانی سے مقابلہ کر سکیں گے، غرض اولاً استحکام پھر توسیع کا اصول کار فرما رہا"[10]

---

[9] مرتضیٰ حسین، سید، "رسول اکرم کی پہلی سیاسی فتح"، مشمولہ نقوش رسول نمبر، (لاہور: ادارہ فروغ اردو، دسمبر 1982ء)، 3/581

[10] حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص 213

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www.al-aasar.com

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

مدینہ کو منظم حکومت قرار نہ دینا

ڈاکٹر حمید اللہ نے جہاں مکہ کو اپنی نگارشات میں ایک مملکت اور منظم شہر قرار دیا ہے، وہیں مدینہ کے بارے آپ کا موقف ذرا مختلف نوعیت کا ہے۔ آپؒ کے نزدیک مدینہ میں کوئی مرکزیت قائم نہ تھی اور باقاعدہ کوئی منظم نظام حکومت بھی موجود نہ تھا چنانچہ مدینہ میں مملکت اور حکومت کے اصول نہ ہونے کے برابر تھے جس کی وجہ سے اس علاقے میں نظام زندگی میں تنظیم اور باقاعدگی نہ تھی۔ آپ لکھتے ہیں

> "مدینے میں کسی مملکت کا وجود نہ تھا شہری مملکت کا نہ کسی اور قسم کی مملکت کا۔ یہاں اسلام سے پہلے کئی رشتہ دار قبائل آباد تھے مگر ان میں آپس میں ہمیشہ خانہ جنگی رہتی تھی۔............ یہ مملکت ابتداء میں ایک شہری مملکت تو تھی لیکن کامل شہر میں نہ تھی بلکہ شہر کے ایک حصے میں قائم کی گئی تھی لیکن اس کی توسیع بڑی تیزی سے ہوتی ہے ....یہاں آپ کو پرانے انتظامات وراثت میں بالکل نہیں ملے۔ فوج، خزانہ، تعلیم، عدلیہ و انتظامیہ کے اداروں میں سے کوئی چیز وہاں نہیں تھی۔ ہر چیز رسول اللہ ﷺ کو خود ہی نقطہ صفر سے پیدا کرنی اور ترقی دینی تھی"[11]

ریاست مدینہ کی تشکیل میں نبی مکرم ﷺ کا قائدانہ کردار

نبی مکرم جو منتظم اعلیٰ اور بہترین مدبر بھی تھے چنانچہ آُ ﷺ کے سیاسی کردار کی بات کی جائے تو مدینہ منورہ آمد کے بعد تاریخی حقائق اور وقائع سیرت یہ ثابت ہوتا ہے کہ ریاست مدینہ کی تشکیل میں نبی اکرم ﷺ نے بہترین کردار ادا کیا اور اپنی مدبرانہ سیاست سے محض تھوڑے ہی عرصہ میں ایک منظم حکومت کے نقوش قائم کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ چنانچہ ڈاکٹر حمید اللہ تشکیل ریاست، تنظیم ریاست اور توسیع ریاست کے حوالے سے میثاق مدینہ اور اس سے حاصل ہونے والے تمدنی، دفاعی، سماجی و سیاسی اثرات و نتائج کو ایک انقلاب سے تعبیر کرتے ہوئے ڈاکٹر حمید اللہ رقمطراز ہیں

> "اس اولین مملکت اسلامیہ کے قیام میں خود جناب رسالت مآب ﷺ کا جو کردار کارفرما رہا اور اس کے جو سیاسی ، جغرافیائی ،تمدنی، تاریخی، اخلاقی اور نفسیاتی عوامل رہے جنہوں نے عربوں کو اس زمانے میں اس انقلاب کے لیے تیار کیا اور ان کو اس انقلاب کے مواقع فراہم کیے اور پھر عربوں کے کردار قبل از اسلام کی صدیوں میں پرورش و پختگی، اور عہد اسلام میں اس کا صیقل و جلاکاری وغیرہ یہ بیسیوں مسائل ہیں جو مستقل مقالوں کے محتاج ہیں"[12]

مملکت اسلامیہ اور داخلی استحکام کے چند پہلو

عہد نبوی کے مدنی معاشرے میں داخلی استحکام میں مواخات کے کردار کی بات کی جائے تو اس اہم ترین مرحلے کی افادیت کھل کر سامنے آتی ہے کیونکہ مدینہ میں آباد اوس و خزرج کافی عرصہ سے باہم دست و گریباں تھے اور یہود ہمیشہ اسی بات کا فائدہ اٹھایا کرتے تھے۔ چنانچہ مدینہ آنے کے بعد نبی اکرم نے سب سے پہلے اس معاشرے کے مفاد اور استحکام کی خاطر جو کام کیا وہ مواخات تھا کیونکہ اس کے بغیر داخلی استحکام بالکل ممکن نہ تھا جو ایک مستحکم سلطنت کے لیے ضروری قرار پاتا ہے۔ مواخات کا رشتہ حقیقی بھائیوں کی طرح تھا جس میں ایک انصاری کے مرنے کے بعد اس کے حقیقی بھائی کی طرح مہاجر بھائی کو بھی اس کی وراثت میں سے حق ملتا اور وراثت کا یہ سلسلہ وراثت کے تفصیلی احکامات تک جاری رہا۔ نبی کریم ﷺ کا یہ بڑا اہم کارنامہ تھا کہ آپ نے ایک نوخیز سلطنت کے داخلی استحکام کی طرف توجہ دی اور مواخات کے رشتہ سے داخلی استحکام کو یقینی بنایا۔ اسلامی ریاست کی حدود میں وہ جملہ انتظامات جن کا تعلق عامۃ الناس کی فلاح و بہبود سے ہو، داخلی امور کہلاتے ہیں۔ چنانچہ امن عامہ ہو یا قضا و عدل، شہری نظم و نسق ہو یا عوام کی روزمرہ ضروریات کا انتظام و انصرام ان تمام امور کو نظمیہ عامہ یا Public Administration کہا جاتا ہے۔ امورِ داخلہ

---

[11] ملاحظہ کیجیے، حمید اللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاول پور، ص 193-196

[12] حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص 183

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

کا شعبہ کسی بھی مملکت کے انتظامی ڈھانچے کے خدوخال کا تعین بھی کرتا ہے نیز جملہ امور سیاسیہ کی تکمیل میں بھی یہ شعبہ ممدومعاون ٹھہرتا ہے۔انتظامیہ، ہو عدلیہ ہو یا مقننہ مجموعی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ قیام ریاست کے تمام اغراض و مقاصد کے حصول میں یہ شعبہ نہایت اہمیت کا حامل ہے۔جب ریاست کا یہ ادارہ منظم انداز میں سرگرم عمل ہو تو یقینی طور پر اسلامی ریاست کے مقاصد کو حاصل کیا جاسکتا ہے۔اس ضمن میں چند اہم شعبہ جات درج ذیل ہیں۔

۱۔شعبہ مالیات ۲۔شعبہ مواصلات،ترسیلات ۳۔شعبہ خوراک ۴۔شعبہ آبادکاری ۵۔شعبہ احتساب و نگرانی

درج بالا تمام صیغہ ہائے ریاست کو منظم انداز میں چلانے کے لیے انتظامی ادارہ جات وجد میں آتے ہیں۔عامۃ الناس کی خوش حال زندگی کے لیے اور ان تمام امور کی انجام دہی اور ادائیگی کے لیے امور ریاست کی ادارہ جاتی تقسیم نبی پاک ﷺ نے خود بنفس نفیس مدینہ میں ہجرت کے بعد فرمائی۔

سول سروس Civil Service(عمال کی تقرری) کے نظام کی باقاعدہ ابتداء

نبی اکرم ﷺ نے اپنے عہد میں اس ادارے کی باقاعدہ بنیاد رکھی اور اس کے ابتدائی خدوخال بھی واضح کر دیے۔اس ضمن میں یہ بات لائق توجہ ہے کہ ڈاکٹر حمید اللہ نے بھی ریاسی نظم کے لیے نبی ﷺ کے اس اہم ترین اقدام کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ مملکت اسلامیہ کے داخلی استحکام کی خاطر بہت سارے شعبے قائم کیے گئے اور ان شعبہ ہائے جات کی کارکردگی کا جائزہ لینے کا بھی بھرپور انتظام موجود تھا۔ڈاکٹر حمید اللہ اپنے ایک مضمون 'سرور کائنات کی حکومت' میں لکھتے ہیں

> ''اس ادارہ میں قاضیوں، گورنروں اماموں، مبلغوں اور معلموں وغیرہ کی تعلیم و تربیت ہوتی تھی اور ان کا امتحان لیا جاتا تھا جن لوگوں کا کسی عہدے پر تقرر ہوتا ان کو زبانی و تحریری دستورالعمل اور ہدایات دی جاتیں۔عہدیدرانِ مال کو ہمہ قسم کے مداخل (زکوۃ، عشر، خراج، جزیہ وغیرہ) کی شرحیں تحریری طور پر لکھ کر دی جاتی تھیں۔مخارج کا بھی ایک باقاعدہ دفتر تھا لہٰذا ایک رجسٹر میں سرکاری وظیفہ یا تنخواہ پانے والے لوگوں کے نام درج تھے''[13]

جیسا کہ سطور بالا میں ڈاکٹر حمید اللہ کی تحقیقات کی روشنی میں یہ مترشح ہو چکا کہ سول بیوروکریسی کا آغاز بھی نبی محترم ﷺ کے مبارک عہد میں ہوا تھا اس لیےPublic Administration کے لیے نہایت ضروری تھا کہ نظام حکومت کو منظم انداز سے چلانے کے لیے عمال کا تقرر بھی اعلیٰ معیاراور ضوابط پر کیا جاتا نیز حکومتی نظم کو مرکزی وصوبائی ادارہ جاتی تقسیم میں بانٹا جاتا، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ عہد رسالت مآب ﷺ میں مملکت کے نظام کی مرکزی و صوبائی تقسیم وجود میں آ چکی تھی۔

ریاستِ مدینہ کے مرکزی انتظامی ادارہ جات

نبوی فراست کی وجہ سے مملکت اسلامیہ میں مرکزی حکومت کو شعبہ جاتی تقسیم میں بانٹ دیا گیا تھا۔اس ضمن میں ریاست مدینہ میں نائبین یا عمال، کارکنان اور منتظمین کے تقرر میں نبوی حکمتِ سیاست ہمیشہ کارفرما رہی۔المختصر یہ کہا جاسکتا ہے کہ داخلی نظم ونسق کے لیے نبی مکرم ﷺ نے ایک سے زائد شعبہ جات قائم فرمائے جن کے ذمہ ریاستی امور کی انجام دہی تھی۔چند ایک اہم شعبہ جات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

مرکزی انتظامیہ

اس نوزائیدہ سلطنت اسلامیہ کی بات کی جائے تو اس کے مرکزی نظم یعنی مرکزی انتظامیہ انتہائی منظم اور فعال تھی۔ریاست کے جُملہ امور کی انجام دہی کے لیے پابند تھی۔اس انتظامیہ میں درج ذیل ذیلی شعبہ جات شامل تھے۔

۱۔نائبین

---

13 حمید اللہ، ڈاکٹر، نگارشات حمید اللہ، گردآوردہ محمد عالم مختار حق، (ملتان: بیکن بکس، 2020ء)، ص145

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

نبی مکرم ﷺ جب بھی مدینہ یا مرکز سے باہر تشریف لے جاتے تو ایک جانشین مقرر فرماتے۔ یہ جانشین ونائبین نہ صرف مذہبی معاملات نماز کی امامت وغیرہ کے ذمہ دار ہوتے بلکہ آپ کی عدم موجودگی میں کار ریاست کے ہر طرح سے ذمہ دار ہوتے تھے[14]

۲۔وزرا یا مشیران

اہل عرب پہلے پہل اس لفظ "وزیر" سے ناآشنا تھے مگر جیسے جیسے غیر عرب اقوام سے سابقہ پڑا تو معلوم ہوا۔ رومیوں اور اہل ایران سے تعلقات کی وجہ سے وہ اس سے باخبر ہوئے۔ وزیر کا لفظ "وزر" سے ماخوذ ہے جس کے معانی ثقل کے ہیں۔ یعنی وزیر کے کندھوں پر کاروبار مملکت کا بوجھ ہوتا ہے اسی لیے اسے وزیر کہا جاتا ہے، حاکم یا امیر اپنے اختیارات دوسروں کو تفویض کرتا ہے اسی سے وزارت کا ادارہ وجود میں آتا ہے[15]۔ امت مسلمہ کے اجتماعی مفاد میں نبی ﷺ اکابر صحابہ کی جماعت سے مشاورت کرتے تھے۔ یعنی اصول مشاورت نبی ﷺ کے اصول سیاست میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ اسلامی ریاست کی تشکیل و توسیع کے ساتھ ساتھ یہ شعبہ بھی ترقی کرتا گیا اور بعد ازاں اسی شعبہ کو "مجلس مشاورت"، "مجلس قانون ساز" یا پارلیمنٹ کہا گیا۔

۳۔کاتبین / سیکرٹری

اسلام کے ابتدائی نقوش میں اس شعبہ میں محض مذہبی نوعیت کے معاملات شامل تھے مگر ریاست کی توسیع کے ساتھ یہ ادارہ بھی کئی سیاسی و انتظامی فرائض انجام دینے لگا۔ امراء، سلاطین، سرداران، قبائلی عمائدین کے نام خطوط اور رسل و رسائل، خط و کتابت کی غرض سے اس شعبہ کی اہمیت بھی بہت زیادہ بڑھ گئی چنانچہ نبی پاک ﷺ نے اس شعبہ پر کئی اہم ترین صحابہ کو مامور فرمایا[16]۔ یہ عہدہ دور نبوی میں اس قدر اہمیت کا حامل تھا کہ اس کو عرف عام میں حضور اکرم ﷺ کا Personal Staff بھی کہا جا سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت بلال اگرچہ کاتبین میں شامل نہ تھے مگر حضور ﷺ کے پرسنل سیکرٹری کے طور پر جانے جاتے تھے۔

۴۔مخصوص افسران

یہ ریاست اسلامی کا وہ شعبہ ہے جس میں کسی کے ذمہ کوئی خاص ذمہ داری نہیں ہوتی لیکن حالات کے مطابق، کام کی نوعیت کے اعتبار سے افسران کی ڈیوٹی لگتی۔ اس ضمن میں یہ بات لائق توجہ ہے کہ یہ عارضی شعبہ تھا اور مستقل نوعیت کا شعبہ نہ تھا اس لیے کام کے اختتام کے بعد ان عہدوں کو بھی ختم کر دیا جاتا تھا[17]۔

۵۔ماتحت کارکنان

کلیدی عہدوں کے علاوہ دور نبوی میں ماتحت چھوٹے عہدوں کا ذکر بھی ملتا ہے۔ مثال کے طور پر "بواب یعنی چوکیدار"، "آذن یعنی اجازت دینے والا"، "حاجب یعنی تفتیشی افسر"۔ اس عہدہ کا مقصد حاکم اور رعایا میں حد فاصل کھینچنا نہ تھا بلکہ اہم ریاستی امور کی پرائیویسی کو برقرار اور قائم رکھنا نیز سرکاری معاملات اور اہم ترین خفیہ معاملات تک غیر متعلقہ افراد کی رسائی کو روکنا تھا۔ اسی طرح اسلامی ریاست کی صوبائی انتظامیہ میں حکام وولاۃ، محصلین و عاملین شامل تھے۔

صوبائی انتظامیہ اور نبوی پالیسی

ڈاکٹر حمید اللہ کی نگارشات کے مطابق مرکزی انتظامیہ کے ساتھ ساتھ صوبائی خودمختاری بھی نبی مکرم ﷺ کے پیش نظر تھی تاکہ مملکت کو مضبوط داخلی استحکام دیا جا سکے۔ اس لیے مرکزی عہدے داران کے ساتھ ساتھ صوبائی عہدے داران کا تقرر بھی کیا جاتا تاکہ اختیارات نچلی سطح تک منتقل ہو کیں اور حقیقی معنٰی میں

---

14 تفصیل کے لیے دیکھیے، اسلامی ریاست کا شہری نظم و نسق، مشمولہ، نقوش رسول نمبر، 5/ 578-600

15 حسن ابراہیم حسن، سید مسلمانوں کا نظام مملکت، (کراچی: دارالاشاعت، 2018ء)، ص 147

16 اسلامی ریاست کا شہری نظم و نسق، مشمولہ، نقوش رسول نمبر، 5/ 588

17 ملاحظہ کیجیے، نقوش رسول نمبر، 5/ 603-604

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www.al-aasar.com

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

عامۃ الناس کی فلاح و بہبود ممکن ہو سکے۔ نبی ﷺ نے اس ضمن میں یہ پالیسی اختیار کی کہ جس علاقہ یا قبیلہ کو فتح کیا جاتا اس میں پہلے سے موجود کسی معتبر مقامی فرد کو عامل مقرر فرماتے اور اسے ہی سربراہ یا والی / گورنر بنا دیا جاتا۔ ڈاکٹر حمید اللہ اس بارے لکھتے ہیں

> "رحمۃ للعالمین مدینہ منورہ میں مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر ایک شہری ریاست کے قیام میں کامیاب ہو چکے تھے جس نے جلد ہی ایک مملکت بلکہ ایک وسیع سلطنت کی شکل اختیار کر لی، ایسی سلطنت جس کی سرحدیں پورے عرب، عراق اور فلسطین سمیت جنوبی علاقوں تک پہنچ چکی تھیں۔ چونکہ اس سے پہلے اس علاقے میں کسی مملکت کا وجود نہ تھا اس لیے ضرورت کے تحت ہر قسم کے انتظامی شعبہ کا قیام عمل میں لایا گیا اور پھر تجربات اور مشاہدات کی بنیاد پر اسے بہتر بنایا گیا۔ مدینہ کی شہری انتظامیہ اس وسیع عریض سلطنت کا دارالخلافہ اور وفاقی حکومت کا مرکز تھا جب کہ ہر قبیلہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے ساتھ اپنے علاقے میں ہی اس سلطنت کا صوبہ بن جاتا تھا لہٰذا آنحضرت ﷺ نے یہ پالیسی اختیار کی کہ کسی بھی قبیلہ کے مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد اسی قبیلہ کے کسی مقامی فرد کو (صوبائی حکومت) کا حکمران مقرر فرما دیتے اس قسم کا انتظام مرکزی حکومت کی طرف سے تنخواہ دار گورنر اور دوسرے عمال بھیجنے کی نسبت سستا پڑتا تھا"[18]

ریاست اور اس کی خارجہ پالیسی

زمین پر انسان کو اللہ کا نائب بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اس زمین کی آباد کاری کی غرض نیز کائنات کے نظام کو بطریق احسن چلانے کے لیے افراد کے درمیان فطری طور پر صلاحیتوں میں تفاوت رکھا گیا ہے اور یہ تفاوت محض اسی لیے قائم رکھا گیا ہے کہ افراد معاشرہ مل جل کر اجتماعیت سے معمور زندگی گزار سکیں۔ پہلے پہل معاشرتی و سماجی تقاضے بھی محدود تھے لیکن مرور زمانہ کے ساتھ جیسے جیسے تمدنی و سماجی ترقی وجود میں آتی گئی تو اجتماعیت کی وسعت کی وجہ سے ایک منظم ادارہ کی ضرورت محسوس کی گئی جو ریاست کی صورت میں سامنے آیا۔ اس ضمن میں باہمی تعلقات کی نوعیت، حدود و قیود کی تفہیم کے لیے ایک منظم خارجہ پالیسی کو ریاستی استحکام کا لازمی جزو قرار دیا جاتا ہے اور اس کی بنیاد بہر حال افراد معاشرہ ہی قرار پاتے ہیں۔

مملکتِ اسلامیہ کی خارجہ پالیسی اور شعبہ سفارت کاری

اسلامی مملکت سے دوسری ممالک کے تعلقات کے لیے جس محکمہ کو ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے وہ محکمہ خارجہ کہلاتا ہے اور اس کے ذمے سفارت کاری جیسا اہم شعبہ ہوتا ہے۔ کسی بھی سفیر میں اگر ذہانت، فراست، عمدہ زباں، جاذب نظر شخصیت، ادائیگی فرائض میں قدرت جیسے خصائص ہوں تو وہ کامیاب سفارت کار کہلاتا ہے۔ نبی مکرم ﷺ کی زیر نگرانی صحابہ کرام نے اس شعبہ میں بھی عمدہ خدمات انجام دیں۔ سفیر دراصل کسی بھی ریاست کا نمائندہ ہوتا ہے اور اگر سفیر اپنے موقف کو موثر انداز سے پیش نہ کر پائے تو مملکت کی خارجہ پالیسی کو ناقابل تلافی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس لیے سفیر کی ذمہ داری بھی نہایت اہمیت کی حامل ہے جبکہ اس کا مقام و مرتبہ بھی اہمیت اختیار کر جاتا ہے۔ سفیر اور محکمہ سفارت کی اہمیت کے بارے انسائیکلوپیڈیا امریکانا کے الفاظ کا مفہوم ملاحظہ ہو

> "سفیر سے مراد حکومت کا وہ نمائندہ جو کسی دوسری حکومت کے صدر مقام میں رہائش پذیر ہوتا ہے۔ اس کو اپنے ملک کی طرف سے مکمل اختیارات حاصل ہوتے ہیں کہ اہم معاملات میں دوسری حکومت سے بات چیت یا گفت و شنید کر سکے"[19]

ڈاکٹر حسین بانو اس بارے لکھتی ہیں

---

[18] حمید اللہ، ڈاکٹر، محمد رسول اللہ، [مترجم] خالد پرویز، پروفیسر، (ملتان: بیکن بکس، 2005ء)، ص 205-206

[19] Encyclopedia of Americana, (Ambassador) Vol,1,P 470

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www.al-aasar.com

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

"سفارت کاری Diplomacy ایک یونانی لفظ ہے جو لفظ ڈپلومہ Diploma سے مشتق ہے جس کا مطلب ہے بادشاہ کی طرف سے جاری شدہ وہ لپٹی ہوئی سند جو حامل کو خصوصی مراعات کا حق دار بناتی ہے"[20]

ریاستی خارجہ پالیسی کے اصول و مقاصد تشکیل ریاست اور استحکام ریاست کے باب میں نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔ قیام سلطنت کے بعد استحکام سلطنت کے لیے کچھ لازمی اصول و قوانین کو وضع کیا جاتا ہے۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ریاست کے داخلی استحکام کے ساتھ ساتھ ریاست کا خارجی استحکام بھی بے حد ضروری ہوتا ہے۔ چنانچہ اسلامی ریاست کے دیگر اقوام اور ممالک سے تعلقات کس نوعیت کے ہونے چاہئیں اور اس ضمن میں کیا پالیسی اختیار کی جانی چاہیے، یہ تمام امور ریاست کی خارجہ پالیسی میں آتے ہیں اور انہی اصولوں کے بارے سیرت نبوی میں واضح ہدایات ملتی ہیں۔

نبوی خارجہ پالیسی اور کامیاب سفارت کاری

سیرت نبوی کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وسیع تر تناظر میں اہل مکہ کے ظلم و ستم سے مسلمانوں کو بچانے کی خاطر نبی اکرم ﷺ نے اپنے اصحاب کی جماعت کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دی، اپیہ فراست نبوی کا بہترین عملی نمونہ تھا۔ ہجرت حبشہ جو بعد میں ایک مستحکم اسلامی ریاست کے وجود کا سبب بنی، اس کے پیچھے نبی اکرم ﷺ کی کامیاب سفارت کاری تھی۔ نبی اکرم ﷺ کی موثر سفارت کاری اور منظم منصوبے کے تحت اٹھایا جانے والا یہ اقدام بہت معنی خیز تھا اسی لیے کفار مکہ کو ایک طرف تو اس مشن میں ناکام و نامراد لوٹنا پڑا، ساتھ ہی ساتھ مسلمانوں نے حبشہ کے بادشاہ تک نہ صرف رسائی حاصل کی بلکہ نجاشی اور اس کی قوم کے دلوں میں اپنی جگہ بھی بنالیا اور یہ سب کامیاب سفارت کاری ہی کی وجہ سے ممکن ہوا۔

اسی جانب روشنی ڈالتے ہوئے حافظ محمد یونس لکھتے ہیں

"مہاجرین کی فہرست پر نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ باقاعدہ ایک سفارتری وفد تشکیل دیا گیا تھا جس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ لوگ کسی کونے کھدرے میں چھپ کر بیٹھ نہیں رہے بلکہ نہ صرف دربار میں امراء تک رسائی بلکہ خود نجاشی تک رسائی حاصل کر کے اسلامی سفارت کاری کے حقوق پورے کیے بلکہ اپنے اعمال و کردار سے حبشہ کے عوام بلکہ خواص کو بھی اپنا گرویدہ بنالیا"[21]

رسول اللہ ﷺ نے مستحکم اور پائیدار مملکت کے قیام نیز امور سلطنت کو بہتر اور احسن انداز میں چلانے کے لیے اختیارات اپنے ماہر اصحاب میں تقسیم کیے۔ کسی کو مذہبی معاملات سونپ دیے، کسی کو خبر رسانی کے لیے مامور کر دیا، کسی جان نثار کے ذمہ خطوط کا ذمہ لگایا، کسی کو جنگی معاملات اور امور دفاع کے محکمے کا قلمدان سونپا، کسی کو جاسوسی کے لیے ہدایات دیں تو کسی کو بین الممالک سفارتی تعلقات کے لیے متعین فرمایا۔ نبی ﷺ کے ان اقدامات میں گویا ایک کامیاب سیاست دان کی تمام صفات بدرجہ اتم دکھائی دیتی ہیں۔

ڈاکٹر حسین بانو رقمطراز ہیں

"کسی بھی ملک کی سیاست خارجہ کا اہم موضوع بین الممالک تعلقات ہوتے ہیں اس لیے خارجہ تعلقات کے تناظر میں سفارت کاری کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ سیاست خارجہ میں دیگر اقوام و ممالک کے ساتھ اپنے تعلقات کو پختہ کرنے کے ساتھ ساتھ دیگر اقوام کو اپنی اہمیت سے بھی آگاہ کرنا ہوتا ہے۔ یہ بات تو واضح ہے کہ جس ملک کی خارجہ پالیسی کی تشکیل مضبوط بنیادوں پر استوار ہوتی ہے وہ ہی ملک طاقت اور

20 حسین بانو، ڈاکٹر، رسول اکرم کی سفارت کاری اور خارجہ پالیسی، (کراچی: کتب خانہ سیرت، اکتوبر 2018)، ص190

21 حافظ محمد یونس، ڈاکٹر، رسول اللہ کا سفارتی نظام، (راولپنڈی: دارالفرقان سیٹلائٹ ٹاون، 1966ء)، ص186

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www.al-aasar.com

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

عروج کی بلندیوں کو جلد از جلد پالیتی ہے اور جس ملک کی خارجہ پالیسی کی بنیادیں کمزور ہوتی ہیں یا جس کی سمت واضح نہیں ہوتی وہ اول یا تو محکوم رہتی ہے یا کمزور ریاستوں میں اس کا شمار ضرور ہوتا ہے"[22]

مکاتیب نبویہ۔سفارت کاری اور سیاست خارجہ کے تناظر میں

نبی ﷺ کی سفارت کاری اور سیاست خارجہ کا مطالعہ آپ کے دعوتی و سیاسی خطوط کے تناظر میں کیا جائے تو یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کے ان خطوط کے نہایت دوررس اثرات مرتب ہوئے۔کیونکہ دوردراز کی ریاستوں کے تمام باشندے خود مدینہ آ کر نبی اکرم اور آپ کے اصحاب کی سماجی و معاشرتی زندگی کا مطالعہ و مشاہدہ بہر حال نہیں کر سکتے تھے لہٰذا یہ خطوط نبویہ جہاں نبی ﷺ کی کامیاب سفارت کاری کی طرف اشارہ کرتے ہیں،وہیں دوسری جانب انہی خطوط کی وجہ سے غیر مسلم اقوام کو مسلمانوں کے بنیادی عقائد، دینی مزاج،معاشرت و سماج،سیاست اور تمدن کے احوال سے آگاہی بھی حاصل ہوئی۔خطوط نبویہ جہاں ایک طرف نبی ﷺ کی زبان و بیاں کا شاہکار ہیں تو دوسری جانب کسی بھی ریاست کی خارجہ پالیسی کے لیے مشعل راہ بھی ہیں،چنانچہ ان تمام خطوط نبویہ سے بہت سے سماجی و سیاسی اصولوں کا استنباط بھی کیا جا سکتا ہے۔

مولانا مجاہد الحسینی ان خطوط کی سماجی و معاشرتی اہمیت بارے رقمطراز ہیں

"ان مکاتیب مبارکہ میں مکتوب الیہ کی شخصیت کا احترام ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے اور خطاب میں کوئی خلاف ادب و احترام جملہ استعمال نہیں کیا گیا اور نہ ہی اشارۃً وکنایۃً ایسا انداز اختیار کیا گیا جس میں اہانت اور تذلیل کا پہلو نکلتا ہو۔ان میں سب سے زیادہ انسانی مصلحتوں اور ضرورتوں کا بطور خاص خیال رکھا گیا ہے۔مکتوب کا ایک ایک حرف علم و ادب اور حکمت کا آئینہ دار شاہکار ہے"[23]

یہی وجہ ہے کہ کامیاب سفارت کاری اور خارجہ تعلقات میں نبی ﷺ کے دعوتی و سیاسی مکتوبات کا نہایت عمل دخل ہے۔اگر یہ کہا جائے کہ نبی ﷺ نے نہایت کم وقت میں محض اپنے ان خطوط کی بنیاد پر اہل عرب اور آس پاس کی تمام ریاستوں تک اپنا پیغام انتہائی جامعیت،معقولیت اور اختصار کے ساتھ پہنچا دیا تو بے جا نہ ہو گا۔نبی مکرم ﷺ کا بنیادی مقصد بھی یہی تھا کہ کم سے کم وقت میں بغیر جنگ کیے زیادہ سے زیادہ لوگوں تک اللہ کا سچا پیغام پہنچا دیا جائے اور ان سب پر حجت تمام کر دی جائے تاکہ کسی انسان کے پاس کسی قسم کا عذر بھی باقی نہ رہے اور اسلام کا آفاقی پیغام عام ہو جائے۔مکاتیب نبوی ﷺ کی وجہ سے مسلمانوں کا دیگر قبائل و اقوام پر ایک طرح سے دبدبہ اور رعب بھی قائم ہوا اور مسلمان جو کچھ عرصہ پہلے تک اقلیت سمجھے جاتے تھے اب نبی پاک ﷺ کی قیادت میں اپنے وجود سے دیگر ریاستوں کو آگاہ کرنے لگے۔چنانچہ اس ضمن میں ڈاکٹر حافظ یونس کے الفاظ ملاحظہ ہوں

"ان خطوط کی ترسیل سے آس پاس کی ریاستوں پر یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اب عرب پہلے کی طرح کوئی کھلی چراگاہ نہیں اور نہ ہی ایک لاوارث قطعہ زمین ہے بلکہ وہ ایک باضابطہ حکومت کے زیر نگیں ہے۔ایک کارفرما طاقت ورموجود ہے جو ہر لحاظ سے چوکس اور مضبوط ہے،وہ کسی پرانی حکومت سے دبنے والی بھی نہیں ہے بلکہ وہ چیلنج کر رہی ہے کہ چیلنج کرنے کا دم خم اس میں موجود ہے"[24]

اس ضمن میں صدیق قریشی لکھتے ہیں

---

22 حسین بانو،ڈاکٹر،رسول اکرم کی سفارت کاری و خارجہ پالیسی،ص183

23 مجاہد الحسینی،مولانا،سیرت و سفارت رسول(فیصل آباد:قرآن و سیرت مرکز،2017ء)،ص266

24 حافظ محمد یونس،رسول اللہ ﷺ کا سفارتی نظام ص،358

"مکتوبات بھیجنے کی اس حکمت عملی نے نہایت دوررس اثرات مرتب کیے، جزیرہ نما عرب کی ریاستوں میں اسلام کا پیغام پہنچا، اور وہاں کے لوگوں کو یہ جاننے کا موقع ملا کہ عرب میں ایک ایسا انقلاب برپا ہوا ہے جو اللہ کی وحدانیت اور انسانی مساوات کا علمبر دار ہے۔ان والیان ریاست میں سے کئی ایک نے اسلام کے دامن میں پناہ تلاش کی، اس کا خوشگوار تاثر یہ پڑا کہ ان کے عوام نے بھی ان کی تقلید کی........ بین الاقوامیت کے اس دور کے آغاز نے اندرونی سطح پر بھی استحکام پیدا کرنے میں مدد دی۔ یہیں سے آپ ﷺ نے اپنی ریاست کے لیے ان خطوط کا تعین کیا جو دراصل آپ ﷺ کی نبوت کا مقصود تھا"[25]

مکاتیب نبویہ کی اہمیت ڈاکٹر صاحبؒ سے بڑھ کر اور کون جان سکتا ہے کہ جنہوں نے الوثائق السیاسیہ جیسی اہم ترین دستاویز کو دریافت کیا اور امت کے سامنے نبی کریم ﷺ کے عہد نیز عہدِ خلافت راشدہ کے تمام سرکاری دستاویزات، مکتوبات وغیرہ پیش کیے۔یہی وہ مکاتیب ہیں جن کی وجہ سے اسلام کا پیغام چار دانگ عالم پھیلا اور حتی الامکان جنگ یا لڑائی کی نوبت نہ آئی بلکہ نبی مکرم ﷺ نے محض اپنی فراست

اور کامیاب سفارت کاری اور خارجہ پالیسی کی بنیاد پر لوگوں کے قلوب واذہان کو فتح کر لیا۔ چنانچہ انہی مکتوبات اور خطوط نبویہ کی سیاسی، انتظامی اور دعوتی اہمیت کے بارے ڈاکٹر حمید اللہ کے الفاظ ملاحظہ ہوں

"تاریخ نے ایسے کوئی دوڈھائی سو خط محفوظ کیے ہیں جو آنحضرت ﷺ نے مختلف قبائل، شیوخ، صوبہ جاتی افسران اور ہمسایہ حکمرانوں کے نام تحریر فرمائے تھے۔جو شخص پورے جزیرہ نمائے عرب کا حکمران بن چکا ہو اس کے لیے یہ تعداد کچھ بڑی نہیں "[26]

کیا نبوی اصول سیاست اغیار سے مستعار تھے؟

ڈاکٹر حمید اللہ کے مطالعہ سیاست پر غور کیا جائے تو یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ جہاں آپ نے ریاست کے داخلی معاملات پر کلام کیا ہے اور اس حوالے سے زریں اصول وضوابط پر بات کی ہے اسی طرح ریاست کے خارجی معاملات یعنی خارجہ پالیسی وسفارت کاری پر بھی نہایت مفصل انداز میں اپنی نگارشات وخطبات میں اس طرف اشارات کیے ہیں اور یہ اشکالات دور کیے ہیں کہ نظام حکومت وسیاست نبوی کے اصول وضوابط معاذ اللہ اغیار سے مستعار تھے۔ڈاکٹر صاحب نے یہ دلائل سے ثابت کیا ہے مستشرقین ومعترضین کے یہ اعتراضات فضول ہیں اور ان کی کوئی ٹھوس بنیاد نہیں ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے بقول: مغربی مفکرین کے مطابق یونان کی ریاستوں میں اگرچہ کچھ قواعد یا ضوابط متعین تھے تو وہ ہم نسلی یونانیوں کے ساتھ برتاؤ کے متعلق تھے لیکن باقی ساری دنیا کے ساتھ تعلقات سے متعلق کوئی قاعدہ یا قانون نہ تھا، وقت اور حالات کے مطابق کبھی کچھ قانون ہوتا اور کبھی کچھ، ان سے کوئی بازپرس کا حق نہ رکھتا تھا۔"یونانی قانون بین الاقوام" میں یہ خامی تھی کہ وہ صرف ایک محدود علاقے کے لوگوں کے لیے تھا، باقی ساری دنیا کو وحشی قرار دے کر اس قابل سمجھا ہی نہیں جاتا تھا کہ ان کے ساتھ کسی معین قاعدے کے مطابق تعلقات قائم کیے جا سکیں۔[27]

مسلمان قانون بین الممالک کے موسس

مستشرقین کی جانب سے ایک اعتراض اس ضمن میں یہ بھی وارد ہوتا ہے کہ قانون بین الممالک مسلمانوں نے اہل یونان سے مستعار لیا ہے اور اس کی ہی نقل کی ہے حالانکہ قانون بین الاقوام کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قانون بین الاقوام کا آغاز صحیح معنوں میں مسلمانوں کی تاریخ سے ہی ہوتا ہے۔ڈاکٹر

---

[25] صدیق قریشی، رسول الرم ﷺ کی سیاست خارجہ، (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1981)، ص59

[26] حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرم کی سیاسی زندگی، (لاہور: مشتاق بک کارنر، 2016ء)، ص113

[27] حمید اللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاول پور، ص131

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www.al-aasar.com

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

حمید اللہ نے اس مذکورہ بالا اشکال کی وضاحت بھی کی ہے اور اس کا دلائل کے ساتھ رد بھی کیا ہے۔ فاضل مصنف لفظ "بین الاقوام" کے مقابلے میں "بین الممالک" یا "بین الدول" کو ترجیح دیتے ہیں۔ چنانچہ اس بارے ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں

"قانون بین الاقوام ایک ایسا علم ہے جو مسلمانوں کا ہی رہین منت ہے اور مسلمانوں نے ہی اسے سب سے پہلے وجود بخشا ہے"[28]

خلاصہ کلام

نبی اکرم ﷺ کی قیادت میں قائم ہونے والی ریاست یعنی ریاستِ مدینہ اسلامی تاریخ کی پہلی منظم سیاسی اکائی سمجھی جاتی ہے جس کے داخلی اور خارجی پہلوؤں نے بعد کی مسلم فکر پر بہت گہرے اثرات مرتب کیے۔ چنانچہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے بھی اپنی تحقیقات میں اس ریاست کے آئینی، انتظامی اور سفارتی ڈھانچے کو واضح کیا ہے۔ مذکورہ مقالے میں تنظیم ریاستِ نبوی کے داخلی پہلوؤں کے علاوہ مملکت اسلامیہ کے خارجی امور مثلاً معاہدات، سفارت کاری، دفاع اور بین الاقوامی تعلقات کا ڈاکٹر حمید اللہ کی تحریرات کے تناظر میں تجزیہ کیا گیا ہے جو دور حاضر کے ریاستی اصولوں وضوابط کے لیے بھی جامع رہنمائی پیش کرتا ہے۔ جس طرح افراد معاشرہ ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کی ضرورت کو محسوس کرتے ہیں اور باہم میل جول کے ذریعے تعلقات میں مضبوطی لاتے ہیں اور اگر ایسا نہ ہو پائے تو زندگی گزارنا کٹھن اور مشکل ہو جاتا ہے بعینہ اسی طرح ایک ریاست دوسری ریاست سے تعلقات رکھنے پر مجبور ہوتی ہے اور بین الریاستی تعلقات کے اسی نظام کو قانون بین الاقوام یا قانون بین الممالک کہا جاتا ہے۔ اسلام کے خارجہ پالیسی کے مقاصد میں دین کی حفاظت و سربلندی، انسانی مساوات اور امن عالم کا قیام سر فہرست ہے۔ جس طرح سلطنت کے استحکام کے لیے داخلی امور کی اہمیت مسلمہ ہے اسی طرح قانون بین الاقوام کے تناظر میں اسلامی ریاست کی خارجہ پالیسی بالخصوص نظام سفارت کاری بہت اہمیت کی حامل ہے، مذکورہ بالا دونوں امور کے بارے سیرت النبی ﷺ سے وقیع رہنمائی ملتی ہے، اسی لیے ڈاکٹر حمید اللہ کی نگارشات میں دوخلی و خاری امور ریاست پر تفصیلی ابحاث ملتی ہیں جن سے استفادہ کر کے عصر حاضر میں مملکت اسلامیہ کی داخلہ وخارجہ پالیسیوں کے اصول وضع کیے جاسکتے ہیں۔

[28] ایضاً، ص129